بسم الله الرحمن الرحيم

اداریہ

محقق گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

اشتیاق احمد ظلی

عہد حاضر کے عظیم اسلامی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۷/دسمبر ۲۰۰۲ء کی صبح جیکسن ولے، فلوریڈا میں ۹۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال سے ایک عہد اپنے اختتام کو پہونچا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک فرد سے زیادہ ایک مکتب فکر، ایک زندہ روایت، ایک ادارے اور ایک چلتے پھرتے دائرۃ المعارف کا نام تھا۔ وہ اپنی ذات سے علم و دانش کی ایک انجمن تھے چنانچہ انہوں نے تنہا جو کام کیا اس کے لئے اکیڈیمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی علمی ہمہ گیری (Versatility) اور تبحر کو دیکھئے تو خیال ہو کہ اسلام کے دور زریں کے عظیم علماء محققین میں سے کوئی جلیل القدر عالم اور محقق اس دور میں آ نکلا ہو۔ اس دور کا کوئی عالم جب مسلمان کاروان علم و دانش کے قافلہ سالار تھے نہ کہ آج کا جب ان کی گرد کارواں کی حیثیت بھی نہیں رہی۔ ان کے اخلاق و عادات، تواضع و انکسار، زخارف دنیا سے دوری و بیزاری اور اخلاص و للّٰہیت کو دیکھئے تو محسوس ہو کہ سلف صالح کے دور کی کوئی سعید روح اس دور زوال و انحطاط میں وارد ہوگئی ہو۔ جنگلوں اور بیابانوں، پہاڑوں اور غاروں اور خانقاہوں اور زاویوں میں کشاکش حیات سے دور اور لذات زندگی سے مہجور زندگی گزارنے والے بزرگوں کی حیات اور کارناموں سے تو ہم واقف ہیں لیکن عہد حاضر کا یہ درویش تہذیب جدید کے قلب پیرس میں جیسی زندگی گذار گیا اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ریاست حیدر آباد میں ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ دار العلوم، نظام کالج اور عثمانیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کی اسناد حاصل کیں۔ ۱۹۳۳ سے ۱۹۳۵ء تک بون یونیورسٹی، جرمنی سے وابستہ رہے اور وہاں سے بین الاقوامی قانون میں ڈاکٹریٹ کیا۔ ۱۹۳۶ء میں سوربون یونیورسٹی، پیرس سے ’عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری‘ کے موضوع پر ڈی۔ لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۶ سے ۱۹۴۶ء تک عثمانیہ یونیورسٹی میں بین الاقوامی قانون کے استاذ رہے۔ ۱۹۴۸ء میں لیگ آف نیشنز میں ریاست حیدر آباد کے وفد کے رکن کی حیثیت سے نامزد ہوئے۔ اس وفد میں شرکت سے بظاہر سب سے اہم نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ان کے پیرس میں مستقل قیام کی صورت پیدا ہوگئی۔ سقوط حیدر آباد کے بعد انہوں نے وہاں لوٹنا پسند نہیں کیا۔ کارکنان قضا وقدر نے دین اور علم کی جو عظیم الشان خدمت ان کے لئے مقدر کردی تھی اس کے لئے جو سہولیات اور مواقع پیرس میں میسر تھے وہ وہاں ممکن نہیں تھے۔ پیرس کی زندگی کی یہی کشش تھی جس کے باعث انہوں اس کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک بالکل مجبور نہیں ہوگئے۔ یہاں قیام کے پورے عرصے میں جو پانچ دہوں پر محیط ہے وہ فرانس کے ایک بڑے تحقیقی ادارے French National Centre for Scientific Research سے وابستہ رہے۔ علائق دنیا سے آزاد رہتے ہوئے انہوں نے اپنی پوری زندگی دین وعلم کی خدمت میں گذار دی۔ جب زیادہ بیمار رہنے لگے تو ان کے بھائی کی پوتی بیگم سعدیہ عطاء اللہ ان کو امریکہ لے گئیں، ملازمت کو خیر باد کیا اور ان کی ہمہ وقتی تیمارداری کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلیا۔ ڈاکٹر صاحب زندگی کے آخری سالوں میں انہیں کے ساتھ رہے اور پھر وہیں سپرد خاک ہوئے۔ مختصر ترین الفاظ میں ان کی داستان حیات کو ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے: عاش حمیداً ومات سعیداً۔

پیرس اپنی بے شمار تاریخی عمارتوں اور یادگاروں کے لئے مشہور رہے۔ ڈاکٹر صاحب

کے مستقل قیام سے وہاں ایک اسلامی یادگار کا اضافہ ہوگیا تھا۔ اسلامی علوم اور اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ان کی قیام گاہ ایک زیارت گاہ کی حیثیت اختیار کرگئی تھی۔ وہاں اپنے قیام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے ایک ایسی عمارت میں ایک چھوٹا سا فلیٹ کرایہ پر لیا تھا جس میں لفٹ کی سہولت نہیں تھی۔ عمارت کی چھٹی منزل تک پہونچنے کے لئے جہاں ان کا فلیٹ تھا ۱۱۴ زینے طے کرنے پڑتے تھے۔ وہ آخر تک یہیں مقیم رہے اور انتہائی حد تک سادہ زندگی گذاری۔ اپنا کھانا خود پکاتے۔ ازدواجی علائق سے آزاد رہے۔ ان کی مونس، رفیق اور دم ساز کتابیں تھیں۔ لکھنا پڑھنا ان کی زندگی تھی۔ علم سے ایسی وابستگی کی مثالیں کم ہی ملیں گے۔

ان کے علمی اکتسابات کی فہرست بہت طویل ہے۔ منتخب کتابوں اور مضامین کا ذکر بھی طوالت سے خالی نہیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے۔ ان کے ترجمہ قرآن سے پہلے فرانسیسی میں متعدد تراجم ہو چکے تھے۔ خود ان کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ۳۶ تھی۔ اس زبان میں سب سے پہلا ترجمہ قرآن اندری دوریر (Andre du Ryer) نے ۱۶۴۷ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔ بعد کی صدیوں میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ بعد میں جو تراجم شائع ہوئے ان میں ریجس بلاشیر (Regis Balacher-1900-1973) کا ترجمہ زیادہ مقبول ہوا۔ بلاشیر کا شمار فرانس کے مشہور ترین مستشرقین میں ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۴۷۔۱۹۵۰ کے درمیان شائع ہوا۔ مسلم علمی حلقوں میں بھی اس کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کیا گیا۔ صبحی الصالح نے اسے بہترین ترجمہ قرار دیا۔ بعد میں محققین نے دقت نظر سے اس کا جائزہ لیا تو اس رائے میں بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

یوروپی زبانوں میں ہونے والے تراجم قرآن کے پیچھے جن مقاصد اور عوامل کی کارفرمائی تھی وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہ کوشش بالعموم کلام اللہ کو سمجھنے اور

اس کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنے کے مثبت جذبہ اور خواہش کے بجائے معاندانہ اور مخاصمانہ مقاصد کے زیر اثر کی جارہی تھیں۔ مختلف تاریخی اور سیاسی عوامل کے زیر اثر جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اسلام اور مسلمانوں کے تئیں اہل مغرب کی نفرت وعداوت کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ ان کی معاندانہ سرگرمیوں کا سب سے بڑا ہدف قرآن مجید اور مہبط وحی آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس رہی ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے اسلام کی شبیہ بگاڑنے اور اس کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے کی ایک مستقل مہم چلائی جاتی رہی ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف خود وہاں کے باشندوں کے دل ودماغ کو اسلام کی طرف سے مسموم کرنے کی کوشش اور خواہش مضمر تھی تاکہ اسلام کی صحیح تعلیمات تک ان کی رسائی کے تمام راستوں کو مسدود کردیا جائے، وہیں خود مغربی تعلیم یافتہ مسلمان نسلوں کو اپنے دین، تاریخ اور روایات سے برگشتہ کرنے کے مقاصد بھی شامل تھے۔ موجودہ حالات کے مخصوص تناظر میں اس مہم میں مزید شدت پیدا ہوگئی ہے۔

بیشتر یوروپی مترجمین قرآن مجید کو کلام الٰہی تسلیم کرنے کے بجائے اسے انسانی کاوش کا نتیجہ اور نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس مقدس کتاب کو بھی نقد ونظر کے انہی پیمانوں پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو انہوں نے انسانی تصانیف کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ سمت سفر ہی درست نہ ہو تو منزل تک رسائی کا امکان کیوں کر ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ان کا ایک محبوب مشغلہ اور پرانی خواہش اور کوشش قرآن مجید کی نزولی ترتیب سے متعلق ہے۔ وہ قرآن مجید کی توقیفی ترتیب کے بجائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر کی تھی اور جس ترتیب میں وہ آج ہمارے ہاتھوں میں ہے، اسے نزولی اور زمانی ترتیب کے مطابق مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے دوسرے مستشرقین کی طرح بلاشیر بھی اس کوشش میں سرگرداں رہا۔ اسی طرح ان کا ایک پسندیدہ نظریہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید نے یہودیت اور نصرانیت سے بہت کچھ

اخذ واقتباس کیا ہے۔ اور ان کے بقول چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تصورات سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھے اس لئے اس میں غلطیوں کا صدور ہوا ہے۔ یہ اور اس نوع کی بے شمار غلط بیانیاں اور دروغ بافیاں اور دور از کار اور من مانی تاویلات کو وہ اپنے تراجم میں نہایت ہوشیاری سے داخل کر دیتے ہیں تا کہ قاری قرآنی تعلیمات کے بارے میں شک وشبہ میں متبلا ہو جائے اور ان کی روح تک اس کی رسائی نہ ہو سکے۔

ان کے علاوہ بہت سے تراجم نحوی اور لغوی باریکیوں اور مفاہیم کے عدم ادراک کے نتیجہ میں صادر ہونے والی غلطیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ تو قرآن مجید میں استعمال ہونے والی عربی مبین اور اس کے اسلوب بیان سے قلت واقفیت ہے۔ یہ امر خود بھی نہایت افسوس ہے کہ قرآن مجید کی ترجمانی کا کام وہ لوگ انجام دیتے ہیں جو اس کی زبان و بیان سے پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ بے شمار مواقع پر قرائن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عمداً غلط ترجمانی کا سہارا لیا جاتا ہے جو ایک شدید قسم کی علمی بددیانتی ہے۔ مثال کے طور پر بلاشیر 'النبی الامی' میں امی کا ترجمہ Maternal کرتا ہے۔ گویا اس نے امی کو ام سے مشتق مانا ہے۔ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ المجمع العلمی العربی، دمشق کا ایک رکن رکین اور عربی زبان وادب سے متعلق متعدد کتابوں کا مصنف 'اُمّیت' کے اسلامی تصور اور اس لفظ کے اصل معنی و مفہوم سے واقف نہیں تھا!

فرانسیسی زبان یورپ کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبانوں میں سے ایک ہے اور دنیا کے مختلف علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ الجیریا، مراکش اور تیونس وغیرہ مسلمان ملکوں میں بھی اسے عربی کے بعد دوسری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی علوم میں دلچسپی اور تحقیق کی روایت بھی فرانس میں خاصی پرانی ہے۔ چنانچہ فرانسیسی زبان میں مستند اور معیاری ترجمہ قرآن کا فقدان ایک بڑی کمی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کمی کی باحسن وجوہ تلافی کا سامان کر دیا۔ اسلامی علوم میں ان

کے غیر معمولی رسوخ اور عربی اور فرانسیسی دونوں زبانوں پر ان کی یکساں اور ماہرانہ دسترس کا بھرپور انعکاس ان کے ترجمہ قرآن میں پایا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار مشہور فرانسیسی متشرق لوئی ماسینیون (Louis Massignon) کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ اس کو جو قبول عام حاصل ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ گذشتہ چار دہوں میں اس کے تقریباً دو درجن ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس ترجمہ کے وسیلہ سے بے شمار لوگ قرآن حکیم کی صحیح تعلیمات سے آگاہ ہوئے اور ایک معتدبہ تعداد دولت اسلام سے مشرف ہوئی۔

اس عظیم الشان قرآنی خدمت کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ نے حدیث فقہ، سیرت نبویؐ، تاریخ اسلام اور انٹرنیشنل لا کے موضوعات پر بڑا گراں قدر فکری اور علمی ورثہ یادگار چھوڑا ہے۔ علم حدیث میں خصوصاً صحیفہ ہمام بن منبہؒ کی دریافت اور اس کے تحقیقی ایڈیشن کی اشاعت کو ایک اہم کارنامہ کی حیثیت حاصل ہے۔ ہمام بن منبہؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے موسوم و مشہور ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے برلن اور دمشق کی لائبریریوں سے اس کے دو نسخے دریافت کئے اور بڑی دقت نظر اور محنت سے اس کا محقق ایڈیشن شائع کیا۔ یہ احادیث کا قدیم ترین دستیاب مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ احادیث کی اشاعت سے جہاں یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ گئی کہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں شروع ہی سے کتابت کا اہتمام کیا گیا تھا اور اس کا دارومدار صرف حافظہ پر نہیں تھا، وہیں دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اس طرح کے جملہ ابتدائی مجموعوں کو بتمام وکمال حدیث کے بڑے ذخیروں میں شامل کرلیا گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اب وہ الگ سے مستقل مجموعوں کی حیثیت سے دستیاب نہیں ہیں۔ صحیفہ ہمام بن منبہ میں شامل جملہ احادیث مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں اور دونوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئی کہ ان کے درمیان کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

علاوہ ازیں ان کی جن کتابوں نے اہل علم ودانش سے خراج تحسین وصول کیا ان میں Introduction to Islam,Muhammad Rasullah, Battle fields of the Prophet Mulammad, Muslim Conduct of State اور خطبات بہاولپور، القرآن فی کل لسان (ببلیوگرافی) الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، سیرۃ ابن اسحاق (تصحیح وتدوین) امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، عہد نبوی میں نظام حکمرانی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بلاشبہ وہ اس دور کے اسلامیات کے سب سے بڑے محقق تھے۔ انہیں زبانیں سیکھنے کا خاص ملکہ ودیعت ہوا تھا۔ اردو مادری زبان تھی، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانوں پر ان کو عبور حاصل تھا۔ جن زبانوں میں وہ بے تکلف بات چیت کر سکتے تھے ان کی تعداد ۲۲ بتائی جاتی ہے۔ نئی زبانیں سیکھنے کے سلسلہ میں ان کی دلچسپی تقریباً آخر تک قائم رہی چنانچہ تھائی زبان انہوں نے ۸۵ سال کی عمر میں سیکھی۔ یہ خداداد صلاحیت انہوں نے اسلام اور اسلامی علوم کی خدمت میں صرف کی۔

ادارہ علوم القرآن کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ہی ان سے رابطہ استوار ہوا اور ششماہی علوم القرآن انکی خدمت میں بھیجا جانے لگا، انہیں ادارہ سے بڑا تعلق خاطر تھا اسی تعلق کی نسبت سے انہوں نے ہماری درخواست پر مجلّہ میں اشاعت کے لئے اپنا ایک گراں قدر مضمون ’’قرآن مدار مفخرت انسان‘‘ ارسال فرمایا تھا۔ یہ مضمون علوم القرآن کے شمارہ ۲/۴ جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا۔ مضمون کی درخواست کے جواب میں اور مضمون چھپنے کے بعد انھوں نے جو گرامی نامے ارسال فرمائے وہ اگلے صفحات میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں اعلی علیین میں جگہ دے۔ آمین

(۲۴ مارچ ۲۰۰۳ء)